ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

عرش صدیقی کے نظمیہ موضوعات کا تجزیاتی مطالعہ
("اسے کہنا دسمبر آگیا ہے" کے مطالعہ کی روشنی میں

i. ڈاکٹر روح الامین (لیکچرار)
ii. ڈاکٹر جہانزیب شعور (اسسٹنٹ پروفیسر)
iii. محمد عثمان
(لیکچرار) ,شعبہ اردو اسلامیہ کالج یونی ورسٹی پشاور

ABSTRACT:
Arsh Siddiqui is a fictionist of a renowned era of Urdu literature. He is highly recognized in the field of fiction writing, yet he is also a poet of high caliber. Especially in free verse; his mythical communication, individual tone and conversational atmosphere sets a unique example. "Dida Yaqub", "Mahabbat Lafz Tha Mera", "Har Moj Hawa Taiz" and "Usay Kehna December Agaya Hai" are his poetry collections. His poetry is the most effective narrative of modern era in which the tragic aspects of human life are prominent along with the violations of social values. The depressing attitude of human life and man's disregard from the surrounding environment is found in the poems of his last period listed in "Usay Kehna December Agaya Hai". This article presents; the thematic analysis of the poems in "Usay Kehna December Agaya Hai".

ارشاد الرحمان عرش صدیقی اردو ادب کے عہد ساز افسانہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ پایے کے شاعر بھی ہیں۔ وہ غزل اور نظم دونوں اصناف پر طبع آزمائی کر چکے ہیں لیکن ان کی نظمیہ شاعری موضوعاتی تنوع اور فکری گہرائی کے اعلیٰ تصورات کی حامل ہے۔ عرش صدیقی کے ہاں اظہارِ خیال کے نئے زاویے، اساطیری ابلاغ، روایت کی تاثریت، جذبات و احساسات کا پختہ شعور، مکالماتی آہنگ اور ذات کی تخلیقی سچائیاں کار فرما ہیں۔ اس لیے محمد حنیف اپنے ایم فل کے مقالے میں لکھتے ہیں:

> "عرش صدیقی کی شاعری میں 'کہنے' اور 'سننے' کی کیفیت شعوری اور ارادی یوں محسوس ہوتی ہے کہ جن موضوعات کو عرش صدیقی نے چھیڑا ہے اور جو طریقِ اظہار یعنی 'سادگی بیان' اپنایا ہے اس کے لیے فطری اور افادی لہجہ 'مکالمہ' ہی تھا ورنہ تخلیق سپاٹ ہو کر رہ جاتی۔ عرش صدیقی نے شاعری کو جذبوں کی زبان سمجھ کر اپنایا مگر اس ادراک کے ساتھ کہ یہ بھی ہماری حقیقی زندگی سے اخذ شدہ ہیں اور معاشرے میں ہونے والے تغیر و تبدل کو بھی متاثر کرتے ہیں چنانچہ انھوں نے جب تک شاعری میں اپنی ذات کو منعکس نہیں کر لیا، مطمئن نہیں ہوئے۔ ان کے ملکِ شعر میں شاعری سے جذبوں کا گہرا تعلق ہے۔"(۱)

عرش صدیقی کے چھے مجموعہ کلام 'دیدہ یعقوب'(۱۹۶۶ء)، 'محبت لفظ تھا میرا'(۱۹۸۳ء)، 'ہر موج ہوا تیز'(۱۹۸۵ء)، 'کالی رات دے گھنگرو' (۱۹۹۱ء)، 'پاکستان میں اردو دوہے کا ارتقا اور کملی میں بارات'(۱۹۹۱ء) جب کہ چھٹا اور آخری مجموعہ کلام 'اسے کہنا دسمبر آگیا ہے'(۱۹۹۷ء) ان کی موت کے بعد شائع ہوا۔ خصوصاً آخری مجموعہ کلام اور نظمیہ شاعری کے حوالے سے یہ تیسرا مجموعہ کلام عرش صدیقی کے آخری دور کی آٹھ نئی نظموں پر مشتمل ہے(۲) لہٰذا ان آٹھ نظموں کا مطالعہ مقصود ہے۔ یہ نظمیں آزاد نظم کی ہیئت میں تخلیق کی گئیں ہیں۔ ان نظموں میں پہلی نظم 'بظاہر جی رہے ہیں ہم' کے عنوان سے لکھی گئی ہے۔ اس نظم میں 'نیم مردہ خواہشات، ادھوری فکر، شکن آلود پیشانی' جیسے مایوس کن لفظیات نظم کو ارتقائی صورت سے ہم آہنگ کر کے اس کے مجموعی تاثر کو ابھارنے میں کافی معاون ہیں کیونکہ مجموعی طور پر نظم پر افسردگی اور مایوسی کی فضا کا غلبہ ہے۔ اس ارتقائی موڑ کے بعد شاعر کی فکر کا موضوعاتی زاویہ سامنے آنے لگتا ہے۔ یوں دیکھا جائے تو تقدیر کا جبر، ان دیکھے اندیشوں کا خوف، حوصلوں کی پستی، تاریک راہوں کی گھمبیرتا اور عصری محرومیاں مذکورہ نظم کا احاطہ کرتی ہیں۔

کہاں تک ناخنِ تدبیر جو تقدیر کی گرہوں کو کھولے
اور ہمیں بھی زندگی کی وسعتوں سے آشنا کر دے؟
ہمیں افسردگی کے نرم بستر سے جگائے، اور
تڑپتے جاگتے لمحوں کے زندہ رقص میں چوگانِ ہستی
کھیلنے کی آرزو میں مبتلا کر دے؟(۳)

عرش صدیقی کی نظموں میں نمایاں انفرادیت یہ ہے کہ وہ خود کلامی کے توسط سے اپنے مطالعے اور مشاہدے کا عکس اپنی فکر میں سمو دیتے ہیں۔ اس طرح نظم کا معنیاتی نظام تہہ در تہہ کئی حوالوں کا تاثر پیش کرنے لگتا ہے۔ 'بظاہر جی رہے ہیں ہم' کے کلائمیکس کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ جدید عہد کا انسان خود ساختہ عذاب کے ایندھن میں جھلس کر زندگی کی معنویت کھو چکا ہے۔ وہ تہذیب کی روحانی اقدار اور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

باطن سے حیات وکائنات کی تفہیم کا راز چاہتے ہوئے بھی نہیں پا سکتا کیونکہ عصری آگاہی، سائنس و ٹیکنالوجی کے مضر اثرات، جدید فلسفے کے لاینحل سوالات اور مغربی تہذیب کی دھند میں لپٹے ہوئے خیالات نے اسے زمین پر قدم جمانے کا موقع نہیں دیا۔

عذاب اتنے ہیں مٹھی بند آنکھوں میں کہ خوابوں کے لیے
گوشہ نہیں باقی
سوال اتنے ہیں، ہونٹوں پہ کہ سانسوں کے لیے رستہ نہیں باقی
کہاں ہے وہ وفا، وہ حوصلہ جو سر کو گھٹنوں سے اٹھا کر آسماں
کا ہم نشیں کر دے!
ہمیں بھی زندگی کی وسعتوں میں جاگتے لمحوں کی لذت کا امیں کر دے!(۴)

'جبر کیا، اختیار کیا' اس مجموعے کی دوسری معنی خیز نظم ہے۔ تلاش و جستجو، دریافت کے کٹھن مراحل، حیات وکائنات کے مخفی گوشے، فنا وبقا کا تصور اور ابد کے آفاقی تصورات نظم میں موضوع بحث ہیں۔ اگرچہ اس قسم کے مباحث پیچیدہ ضرور ہیں مگر عرش صدیقی نے ان مسائل کو انتہائی سادہ اور سلیس اسلوب میں ڈھال کر انسانی ذہن کی غلط فہمیوں اور نارسائی کے دکھ کو بیان کر دیا ہے۔ انسان ازل سے جبر و قدر کے سوالات میں الجھ کر رہ گیا ہے۔ اوپر سے نت نئے بدلتے منظرنامے اور زندگی کے تغیرات نے اسے مزید کش مکش میں مبتلا کر دیا ہے۔

سنبھل کے دکھ ثانیوں کو، اپنی صداقتوں پر نظر کریں گے،
کبھی تو معلوم کر سکیں گے کہ جبر کیا، اختیار کیا ہے،
مگر ابھی تو ہم ایک جانکاہ، تند، اندھے سفر میں گم ہیں،
رکیں تو کہے کہ وقت کے تیز گونجتے آبشار میں ہیں،
ہم اپنی اپنی جگہ ستارے ہیں اپنے سیارگاں کو لے کر سفر میں ہیں
اپنے اپنے محور پہ گھومتے ہیں!
مگر مسلسل سمجھ رہے ہیں کہ ایک حال قرار میں ہیں!
ہمیں خبر ہی نہیں ابھی ہم حقیقتوں سے ادھر کسی دشتِ بے اماں سے رہائی کی راہ ڈھونڈتے ہیں!
زمانے بھر کی صداقتوں کی خبر ہو کیسے،
کہ وقت کے دائروں میں غلطاں ہم اپنی اپنی جبلتوں کے محبتوں کے، حصار میں ہیں!
کبھی یہ محدود حالتوں کے حصار ٹوٹیں تو جان پائیں،
کہ جبر کیا، اختیار کیا ہے،
کہ بے کراں زندگی میں جینے کی آرزو کا مدار کیا ہے!
ابھی تو بس اس قدر کھلا ہے کہ اس اس سفر میں
قدم جو اٹھے نہیں ہیں اب تک فقط وہی اختیار میں ہیں!(۵)

'پت جھڑ، میرا استقبال' میں زندگی کی بے ثباتی، فنا کا المیہ تصور، بے رحم حقیقتیں اور انسانی وجود پر محسوس ہوتے ہوئے زوال کا نوحہ بیان کیا گیا ہے۔ اس نظم کا علامتی پیرایہ منفرد ہے۔ اس لیے محسوساتی سطح پر اس کے اثرات قاری کو تادیر اپنی گرفت میں لیے رکھتے ہیں۔

میں ایسا ایام گزیدہ بے برگ وبار شجر ہوں،
پاؤں تو آزاد ہیں جس کے، لیکن جو خود
وقت کے اس دریا میں گرا ہے جس کا پانی جہاں سے گزرا
ناتا اس کا وہاں سے ٹوٹا،
اور جو اپنے پھولوں سے اور پتیوں سے محروم ہوا اک بار تو پھر،
لوٹ کے آنا، رنگ بچھانا سبز رتوں کا، اک ان دیکھا خواب ہوا!
اور میں وقت کے دریا کی لہروں میں گھرا، ایک ہی سوچ میں رہتا ہوں،
میرا پہلا پت جھڑ ہی کیوں میرا استقبال بنا!(۶)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

'میری روشنی لوٹا دے' ذات کی بازیافت اور اپنے ہونے کے اثبات کا بے نشاں سفر ہے۔ شاعر اپنی تلاش میں سرگرداں ہے تاکہ روشنی کا تعاقب کر کے خوف کے اندھیر سایوں کو زیر کر سکے۔

میں اندھیرے کے بدن میں جا تکنی کے خوف میں ملفوف ہوں،
مضطرب رکھتی ہے دہشت بے بسی، بے اختیاری کی مجھے،
میں تری قوت کا قاتل ہوں مجھے مت زیر کر،
برتری تیری تو میری ذات کی کم مائیگی میں ہر طرح محفوظ ہے!
التجا سن لے مری اور مجھ کو لوٹا دے، مرے ہونے کی شاہد روشنی!
اپنے گھر جانے کو میں بے تاب ہوں(۷)

'خواب نما خواب' ماحول کی یک رنگی سے اکتاہٹ اور نئے احساسات کا اعلانیہ تو ہے مگر تاریخ کی جبریہ اقدار اور سماجی و معاشرتی ذہنیت کا جامد پن شاعر کے پر امید خوابوں کے لیے کسی دیو سے کم نہیں۔ مذکورہ نظم میں انسان کی بے بسی اور مایوسی اپنی انتہا پر ہے۔ 'دیدہ یعقوب' کی طرح یہاں بھی "شاعر خوفزدہ اور زندگی سے ناامید دکھائی دیتا ہے اور یہ سب ان حالات کی پیداوار ہے جن سے شاعر مسافت زیست میں گزرا ہے مگر ایک خاص بات یہ ہے کہ افسردگی اور ناامیدی کے پیرایہ اظہار کے باوجود ان میں جو تاثریت ہے اور دل میں کھب جانے والی کیفیت ہے وہ نظموں کے اجتماعی تاثر کو اور بڑھا دیتی ہے۔"(۸) 'خواب نما خواب بھی انفرادی زاویہ کے ساتھ اجتماعیت کی نمائندہ نظم ہے۔ اس لیے شاعر خود سے مخاطب ہو کر عام لوگوں کی ذہنی رویوں کا ترجمان بن گیا ہے کہ ہم اپنی خستہ حالی، حالتِ زار، بے بسی اور کم مائیگی کا ادراک تو رکھتے ہیں مگر ان کے تدارک کا کسی کے پاس مستقل حل نہیں۔

مرا اک خواب تھا۔۔۔ اک روز جاگوں تو نئے احساس کا اک خوشنما دن ہو!
مجھے بھی حوصلہ ہو صبحدم بستر کی گرمی کا جھٹک کر اک نئے سورج کے لیے استقبال کو
دالان میں آؤں
یہ رات دالان سے باہر کھڑا منظر میرا
مجھے کچھ کہہ رہا ہے۔۔۔ کہہ رہا ہے 'اٹھ تجھے تو صبحدم
سورج کے استقبال کو باہر نکلنا تھا،
اسے اپنی رفاقت کی عملداری میں لانا تھا،
سمجھنا تھا کہ انساں کا مقدر اپنی کل میں آسمانوں سے نہیں گرتا،
فرشتے غیب سے اب حوصلے اور معجزے لے کر نہیں آتے!
مگر بستر سے اٹھنے کا مجھے یارا نہیں شاید!(۹)

نظم 'معما' جدید عہد میں انسان کے فکری و شعوری بحران کی واضح مثال ہے۔ شاعر نے اپنی قوی فراست اور تخلیقی فعالیت کا اعلیٰ اظہار مختصر مگر بلیغ انداز میں پیش کیا ہے۔ 'معما' کا فرد باطن کا نوحہ لیے خارج میں کہیں کھو کر رہ گیا ہے۔ آج کے انسان کے پاس نئی نئی ایجادات اور زندگی کو ڈھنگ سے گزارنے کے کئی ذرائع ہوتے ہوئے فرد کی تہذیبی و ثقافتی شناخت عدم اطمینان کا شکار ہے۔

بند آنکھوں میں بیٹھا تھا از سے اپنے گھر میں مطمئن،
کھڑکیاں، دروازے اندر سے مقفل تھے اور ان کی چابیاں،
میرے دائیں ہاتھ کی مٹھی میں یوں محفوظ تھیں
جیسے پاؤں میں سفر!
گھر کی دیواروں میں سیسہ تھا یا پتھر کی سلیں
عشق میں روحوں کی صورت جو بیم پیوست ہیں
فرش تھا پختہ، بڑی اینٹوں اور مضبوط تھا
کوئی سمجھائے کہ آخر اس حصار سنگ و آہن سے مجھے،
چور کیسے، کون سی رہ سے چُرا کے لے گئے!(۱۰)

'دیکھتا کوئی نہیں' نظم 'خواب نما خواب' اور 'معما' کی توسیعی صورت ہے۔ اس میں بھی کم و بیش وہی موضوع ہے جو گزشتہ دو نظموں میں بیان کیا گیا ہے۔ اس نظم میں صبح کے متحرک مناظر چرند پرند کی حرکات و سکنات اور ماحول کو اپنی تمام جزئیات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے مگر شاعر کہتا ہے کہ انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے، جاگنے، کھولنے اور بولنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکا ہے۔

لو سویرا ہو گیا،

جاگ اٹھی شہ زور مرغوں کی اذانوں سے فضا،
ہر طرف پھیلی ہواؤں میں پرندوں کے چہکنے کی صدا،
شہر لیکن نیند کی آغوش میں مدہوش ہے!
جاگتا کوئی نہیں!!
دوپہر کا گرم سورج، سر پر آگیا،
پھر بھی سارا شہر محوِ خواب ہے
روشنی کے ہاتھ دروازوں پہ دستک دے رہے ہیں صبح سے،
بند دروازے، جو اندر سے مقفل ہیں۔ انہیں،
کھولتا کوئی نہیں!
ایک چپ سوء ہے ہر گھر کے در و دیوار میں
بولتا کوئی نہیں!
گہری تاریکی مسلط ہے فصیل شہر پر
دیکھتا کوئی نہیں!!(۱۱)

'وہ نہیں ملا'' اسے کہنا دسمبر آگیا ہے" کی آخری نظم ہے جو موضوع کے اعتبار سے اپنے محبوب کو تلاش کرنے کا بے انت سفر ہے۔

اشتیاق دید میں جلتا رہا اور برس اوپر برس بیتا کیے،
یوں لگا جیسے یہ رستہ بے اماں، بے انت اور بے سمت تھا،
میں کہ دیوانہ تھا اپنے میہماں کی پیشوائی کے لیے،
ہر طرف وارفتگی لے کر پھری مجھ کو، وہ مل جاتے کہیں،
صبح اتر، شام دکھنی، رات پچھم، دوپہر پورب میں یوں
گزرے مرے شب و روز و شب،
آگے پیچھے، دائیں بائیں، ہر طرف ڈھونڈا اسے، وہ سامنے آیا نہیں،
راستے کی گھاٹیوں میں کھائیوں میں، وادیوں میں گوشہ گوشہ
ان عذابوں کی شہادت دے رہا ہے وہ سفر (۱۲)

عرش صدیقی کی نظمیہ شاعری موضوع، جذبہ اور ذات کے منتشر خیالات سے ترتیب پاتی ہے۔ ان کے ہاں یہ شعری تثلیث حقیقی زندگی کا عکس پیش کرتی ہے خصوصاً معاشرتی تغیر و تبدل کے ساتھ فرد کے ذہن میں اٹھنے والے سوالات عرش کی نظموں میں معاصر معنویت کا رنگ لیے ہوتے ہیں۔ ان کی نظموں کا موضوعاتی کینوس ہمہ جہت ہے کیونکہ ان کی ہر نظم میں فکر کے کئی زاویے متحرک دکھائی دیتے ہیں۔ "اسے کہنا دسمبر آگیا ہے" کی نظموں کا مطالعہ بھی واضح کرتا ہے کہ اس میں بیان کردہ مسائل متنوع تجربات کے حامل ہیں۔ ان نظموں میں شاعر مانوسیت سے اجنبیت کی راہوں کا سفر طے کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ عموماً نظم کی ابتدا سادہ فکر کے لیے راہ ہموار کرتی تو ہے مگر بعد میں عرش کے ہاں زندگی کی بے رحم سچائیاں نظم کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ انسان جو بعض معاملات میں عقل کل تصور ہوتا ہے ایک دم سے مایوسی کی دلدل میں دھنستا دکھائی دیتا ہے۔ فنا کا اذیت ناک تصور موجودہ انسان کے کرب میں اضافے کا موجب ہے لہٰذا وہ اپنے اختیاری معاملات میں جبر کے شکنجوں میں پھنس چکا ہے۔ صداقت کی تلاش اور وجودی بقا کی جنگ اسے خواب دیکھنے پر مجبور تو کرتی ہے مگر اس کی تعبیر اسے ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ لہٰذا خوف کی بدگمانیاں، غیر حقیقی تصورات کا جواز، ذات کی عدم تکمیل کے نتیجے میں پیدا ہونے والے سنگین خطرات، تہذیبی و ثقافتی بحران کا مسئلہ اور اقداری تغیرات کے پیچیدہ مراحل عرش صدیقی کی نظمیہ شاعری کے تخلیقی متون کا اٹوٹ انگ ہے۔ ان کی شاعری بھلے سے مقدار کے حوالے سے کم ہو مگر جدید نظم میں اس کے معیاری تصورات اور اضافے سے انکار ممکن نہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ کلیات عرش صدیقی، ترتیب و تدوین محمد حنیف، مطبوعہ مقالہ برائے ایم فل، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۱۲ء، ص ۱۸
۲۔ ایضاً، ص ۳۵
۳۔ عرش صدیقی، اسے کہنا دسمبر آگیا ہے مشمولہ: کلیات عرش صدیقی، ترتیب و تدوین محمد حنیف، مطبوعہ مقالہ برائے ایم فل، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۱۲ء، ص ۱۷۳
۴۔ ایضاً، ص ۴

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

۵۔ ایضاً، ص۷۶۔۱۷۵

۶۔ ایضاً، ص۷۸۔۱۷۷

۷۔ ایضاً، ص۸۰۔۱۷۹

۸۔ کلیات عرش صدیقی، ترتیب و تدوین محمد حنیف، مطبوعہ مقالہ برائے ایم فل، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۱۲ء، ص ۲۲

۹۔ عرش صدیقی، اسے کہنا دسمبر آگیا ہے مشمولہ: کلیات عرش صدیقی، ترتیب و تدوین محمد حنیف، مطبوعہ مقالہ برائے ایم فل، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۱۲ء، ص ۸۲۔۱۸۱

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۸۳

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۸۴

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۸۵